آپ بیتی ”گردِ راہ“ میں سیاسی و سماجی منظر نامہ

ڈاکٹر عرفان توحید
اسسٹنٹ پروفیسر اردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

"No doubt, the autobiography of Akhtar Hussain Rai Puri mirrors political, social, economical and cultural history of his time. The autobiographical elements and observations have been described with simplicity in a unique way. Gard-e-Rah is not only the story of a single person but also the story of different nations. The spirit of thinking and awareness can esily be felt in the writing of the author, which opens new vistas of the reader."

ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری کی داستانِ حیات ”گردِ راہ“ ۱۹۸۴ء میں مکتبہ افکار کراچی کے زیراہتمام چھپ کر اپنے قارئین تک پہنچی۔ آپ ترقی پسند تحریک سے تعلق رکھنے والے ایک معروف افسانہ نگار، شاعر اور نقاد تھے۔ آپ بیتی بلاشبہ اشتراکی اور ترقی پسند تحریک

کے ابتدائی دور کی تاریخ معلوم ہوتی ہے۔ اس میں ہندوستان کے سیاسی، سماجی اور ادبی منظر نامے کو بہترین انداز میں پیش کرنے کی بھرپور سعی کی گئی ہے۔

ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری ۱۲ جون ۱۹۱۲ء کو رائے پور ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم رائے پور اور ایف۔اے کا امتحان کلکتہ سے پاس کیا۔ علی گڑھ سے ایم۔اے تاریخ کرنے کے بعد پیرس سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ آپ نے افسانہ نگاری میں بھی اپنا لوہا منوایا۔ افسانوں کے دو مجموعے ''محبت اور نفرت'' اور ''زندگی کا میلہ'' تحریر کیے۔ تنقید کی دو کتب ''ادب اور انقلاب'' اور ''روشن مینار'' تصنیف کیں۔ بھرپور ادبی زندگی گزارنے کے بعد آپ ۲ جون ۱۹۹۳ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

آپ بیتی کے آغاز میں مصنف لکھتے ہیں کہ وہ سولہ سال کی عمر میں علم کے حصول کے لیے اپنے گھر کو خیر باد کہہ کر کلکتہ کی طرف عازمِ سفر ہوئے۔ مصنف کلکتہ کے بعد علی گڑھ اور پھر فرانس سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے وطن واپس آئے۔ مصنف اپنی عملی زندگی کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ ان کی عمر کے ۳۰ سال تعلیمی عملی مشاغل میں صرف ہوئے۔ اس کا دورانیہ ۱۹۴۲ء ایم۔اے۔او کالج امرتسر میں شعبۂ تدریس سے شروع ہو کر ۱۹۷۲ء تک کا ہے، جب آپ یونیسکو کی ملازمت سے ریٹائر ہوئے تھے۔

ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری آپ بیتی میں پہلی جنگ عظیم کے بعد کی سیاسی و سماجی صورت حال کو بیان کرتے ہیں کہ ہندوستان میں باقاعدہ جنگ کی فتح یابی کے جشن منائے گئے۔ انگریزوں کے وفاداروں کو ان کی وفاداری پر انعامات سے خوب نوازا گیا۔ قیدیوں کو جیلوں سے رہا کیا گیا اور شہروں کو خوب سجا کر چراغاں کیا گیا۔ سکولوں کے بچوں میں مٹھائیاں تقسیم کی گئیں۔

سیاسی و سماجی پسماندگی کے اس دور میں کانگریس پارٹی نے آزادی کے حصول کے لیے تحریک ترک موالات اور مسلمانانِ ہند نے تحریکِ خلافت کا آغاز کیا۔ ان تحاریک سے ہندوستان کی تمام اقوام کے اندر سیاسی اور سماجی شعور بیدار ہونا شروع ہو گیا اور اہل ہندوستان کو یہ بات سمجھ میں آنے لگی کہ اپنے حقوق کے حصول کے لیے آواز بلند کرنے کے علاوہ کوئی چارہ

کار باقی نہیں رہا۔ ملک کے طول و عرض میں جلسے جلوسوں میں نہ صرف ولایتی مال بلکہ سرکاری دفاتر اور سکولوں کا بھی بائیکاٹ کر دیا گیا۔

مصنف بھی ان دنوں طلباء کے اس گروپ میں شامل ہو گئے جو کانگریس یا تحریک خلافت کے خواتین کے منعقدہ جلسوں میں سوراج یا خلافت تحریک کے سیاسی نوعیت کے پیغامات کو سنا کر بعد میں چندہ اگاہتے تھے۔ مصنف کو اپنے والد کی طرح سیاست سے بہت دلچسپی تھی۔ آپ کے والد سرکاری ملازمت کے باوجود ذہنی طور پر قومی سیاست سے گہرا لگاو رکھتے تھے۔ آپ کے والد باقاعدگی سے، ’’الہلال‘‘ اور ’’کامریڈ‘‘ اخبارات پڑھتے اور روزانہ شام کو ملکی سیاسی معاملات پر اپنے دوستوں سے بحث و مباحثہ کرتے۔ ایک دفعہ ۱۹۲۱ء میں کانگریس کے ناگ پور میں منعقدہ جلسے میں آپ کے والد نے شرکت کی۔ مخبری ہونے پر حکام نے جواب طلبی کی تو معاملہ بگڑ گیا۔ جس پر آپ کے والد کی ترقی روک دی گئی۔ بعد میں انہوں نے احتجاجاً قبل از وقت ملازمت سے ریٹائرمنٹ لے لی۔ جس کے باعث آپ کے گھریلو مالی حالات خراب ہو گئے تھے۔ "تحریک ترک موالات" اور "تحریک خلافت" کے دوران انگریز حکومت کی طرف سے ہندوستانی اقوام کے لاکھوں لوگوں کو جیلوں میں ڈالا گیا اور ہزاروں کو قتل کروایا گیا۔ عدم تشدد کی ان تحریکوں کے دوران ’’چوراچوری کے واقعہ‘‘ کے بعد جب تحریک خلافت عروج پر تھی تو اچانک گاندھی نے روایتی عیاری دکھاتے ہوئے، تحریک کو ختم کرنے کا اعلان محض اس بنیاد پر کیا کہ عدم تشدد کی تحریک میں تشدد کا آغاز ہو گیا ہے، اس لیے تحریک کو ختم کیا جا رہا ہے۔ مسلمانانِ ہند کو تحریکِ خلافت کے اختتام کے غیر ممکنہ اعلان کی بدولت ناقابلِ تلافی نقصان اُٹھانا پڑا۔ لیکن اس ہندوانہ ذہنیت کی عکاس شاطرانہ چال نے ہندو مسلم اتحاد کا پول کھول کر رکھ دیا۔ تحریکِ خلافت اور ترک موالات کے اثرات پر اگر بات کی جائے تو شاید مطلوبہ سیاسی مقاصد کے حصول میں ان تحاریک کی بدولت اہل ہندوستان خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کر سکے تھے، لیکن ان تحریکوں کے مثبت سیاسی و سماجی اثرات یوں مرتب ہوئے کہ عام آدمی کا شعور بیدار ہو گیا۔ معاشرے میں نئی اقدار نے جنم لینا شروع کر دیا۔

گاندھی کی طرف سے تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات کو یک بیک ختم کر دینے سے ہندوستانی اقوام کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا، حالانکہ ان تحریکوں کے دوران ہندو مسلم بھائی بھائی کے نعرے بھی بلند ہوتے رہے لیکن ان تحاریک کے اختتام پر ہندو مسلم نفاق کی ایسی ہوا چلی کہ ہندوستان کا امن و سکون اڑا کر لے گئی۔ چند انتہا پسند ہندوؤں نے "آریہ سماج"، "شدھی" اور "سنگھٹن" کی تحریکوں کے ذریعے مسلمانوں کی تضحیک کی یعنی مساجد میں باجماعت نماز کے اوقات میں بینڈ باجے اور ڈھول بجائے جانے لگے۔ گاؤکشی پر مسلمانوں کو قتل کیا جانے لگا۔ مصنف کے نزدیک دو مختلف مذاہب کی اقوام کے درمیان اختلافات کے کئی پہلو تھے، جن کی جڑیں صدیوں سے پختہ ہو چکی تھیں۔ انگریز حکومت نے انہی اختلافات کو ہوا دی اور اپنا اقتدار مضبوط سے مضبوط تر بناتے چلے گئے۔

ہندوستان کی سیاست میں ایک نئی ہلچل اس وقت پیدا ہوئی جب ۱۹۳۱ء میں گاندھی نے دوبارہ عملی سیاست کی شروعات کی اور کانگریس نے ان کی راہنمائی میں سول نافرمانی کی تحریک کا آغاز کیا تاکہ انگریز حکومت کو اہلِ ہندوستان کے لیے آئینی مراعات کے حصول کے لیے مجبور کیا جا سکے۔ اس تحریک کے نتیجہ میں آئینی اصلاحات کے لیے لندن میں راونڈ ٹیبل کانفرنس کا انعقاد کیا گیا اور بالآخر نیا قانون گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کو منظور کروایا گیا۔

آپ بیتی میں مصنف ۱۹۲۰ء کے بعد ہندوستان کی سماجی صورت حال کو بیان کرتے ہیں کہ ان دنوں چھوٹے شہروں میں سینما یا تھیٹر نہیں ہوا کرتے تھے، بلکہ کھیل تماشا کرنے والے یا قصہ گو سٹیج پر اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ چند برس کے بعد ٹاکی فلموں کو دکھایا جانے لگا۔ فلموں کو دیکھنے کے لیے لوگ دور دراز سے آتے تھے۔ آہستہ آہستہ ہندوستانی فلموں کی شہرت ہونے لگی اور فلم بینی کا عوام میں شوق بہت بڑھ گیا تھا۔ فلم بینی سے قبل ہندوستانی لوگ عموماً مرغ، تیتر، بٹیر اور کبوتر بازی کا شوق رکھتے تھے۔ ہندوستانی اقوام کے درمیان سماجی اور مذہبی ہم آہنگی بھی پائی جاتی تھی، خصوصاً ماہِ رمضان میں سحری اور افطاری کے اوقات میں مسلمانوں میں بڑی چہل پہل ہوتی تھی۔ محرم کا مہینہ اہلِ دکن کی روایات کے مطابق منایا جاتا تھا۔ تعزیے کے جلوسوں میں ہندو بھی شامل ہوا کرتے تھے۔ ہندو ہولی اور دیوالی کے تہوار بڑے جوش و خروش سے منایا کرتے تھے۔

مصنف نے آپ بیتی میں عالمی سیاسی معاملات پر بھی قلم فرسائی کی ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے آغاز کے وقت مصنف پیرس میں قیام فرما تھے۔ یہ ان دنوں کی بات تھی جب ہٹلر پولینڈ پر حملے کی منصوبہ بندی مکمل کر چکا تھا اور جرمن وزیر خارجہ نے روس جا کر باہمی معاہدہ کر لیا تھا۔ ادھر اتحادی ممالک جرمنی کو روس سے جنگ کروانے کے منصوبے میں یہ بات بھول گئے تھے کہ سیاست میں نہ کوئی مستقل دوست ہوتا ہے اور نہ ہی دشمن۔ ہٹلر نے روس سے معاہدے کے بعد پولینڈ پر حملے کی تیاری مکمل کر لی اور دوسری طرف اتحادی ممالک پولینڈ کی سلامتی کی ضمانت دے چکے تھے۔ بالآخر جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کر دیا تو انگلینڈ اور فرانس نے جوابی کارروائی میں جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا تھا۔ جنگ کا نقارہ بجتے ہی فرانس میں بلیک آوٹ کا سلسلہ شروع ہوا اور یہاں باقاعدہ فوجی قانون کو نافذ کر دیا گیا۔ اکیس سے پچاس سال تک کی عمر کے مردوں کو جنگ کے لیے مورچوں پر بھیج دیا گیا۔ جرمن افواج کی ممکنہ فضائی بمباری کے پیش نظر اہل فرانس نے بڑے پیمانے پر شہروں سے دیہات کی طرف ہجرت شروع کر دی تھی۔ چند ہفتوں میں شہروں کے شہر خالی ہو گئے تھے۔ مصنف فرانس سے فروری ۱۹۴۰ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کی کامیاب تکمیل کے بعد وطن واپس تشریف لائے۔ اس دور میں ہندوستان کی سیاسی صورتِ حال کے بارے میں مصنف آپ بیتی میں بیان کرتے ہیں:

> ''جب میں مارچ ۱۹۴۰ء میں ہندوستان لوٹا تو وہاں کی زندگی جنگ عظیم سے متاثر ہو چکی تھی۔ اس کا نزلہ سیاست پر یوں گرا کہ کانگریس نے یہ کہہ کر صوبائی وزارتوں سے استعفیٰ دے دیا کہ فاشزم کی مخالفت کے باوجود وہ مرکزی حکومت میں فیصلہ کن شرکت کے بغیر برطانیہ سے تعاون نہیں کر سکتی۔''(۱)

ہندوستان میں کانگرسی وزارتوں نے بلاشبہ تین سال تک مسلم رائے عامہ کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ وہ مسلم لیگ کے باقاعدہ حلقہ بگوش ہو گئے اور ان کانگرسی وزارتوں کے ختم

ہونے پر مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے مسلمانانِ ہند نے یومِ نجات منایا تھا۔ ان دنوں اکثریت اور اقلیت سے بات بڑھ کر قومیت تک پہنچ چکی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ مسلم لیگ نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قرارداد لاہور پاس کر لی جسے ہندوستان کی کانگرسی قیادت نے "قرارداد پاکستان" کا نام دیا تھا۔

ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری نے اپنی آپ بیتی میں عالمی سیاسی معاملات پر تفصیل سے خامہ فرسائی کی ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں جرمنی نے مئی ۱۹۴۵ء میں ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ امریکی ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کی بدولت جاپان نے اپنی شکست تسلیم کر لی تھی۔ مغربی سامراجی نظام کے حصے بخرے ہونا ناگزیر ہو چکا تھا۔ وہ دور گزر چکا تھا، جس میں یورپی ممالک فوجی اور صنعتی ترقی کے بل بوتے پر دنیا میں اپنا اقتدار وسیع تر اور مختلف اقوام کو سامراجیت کے پنجوں میں جکڑتے چلے جاتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے اختتام کے بعد برطانوی حکومت نے بڑی عقل مندی سے برصغیر اور افریقہ کی محکوم ریاستوں کو آزادی دینے کا اعلان کیا، کیونکہ انگریز حکمرانوں کو دوسری جنگ عظیم کے بعد اس بات کا مکمل ادراک ہو چکا تھا کہ وہ اتنی بڑی سلطنت پر اپنا مضبوط تسلط مزید قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ انگریز حکومت چاہتی تھی کہ ہندوستان کو بحیثیت مجموعی آزادی دے دی جائے لیکن ملک کو دو حصوں میں تقسیم نہ کیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ برطانوی لیبر پارٹی نے ہندوستان میں عام انتخابات کروائے جس میں یہ ثابت ہو گیا تھا کہ مسلمانانِ ہند کی اکثریت مسلم لیگ کے ساتھ ہے اور کانگریس کو محض ہندو قوم کی حمایت حاصل ہے۔ انتخابات کے نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے ۱۹۴۶ء میں برطانوی وزیر اعظم نے کابینہ مشن ہندوستان بھیجا، ان کی ذمہ داری یہ لگائی گئی تھی کہ وہ کانگریس اور مسلم لیگ کو اس نکتے پر آمادہ کرے کہ ہندوستان میں قانون ساز اسمبلی ایک آزاد ملک کا آئین باہمی رضامندی سے تیار کر کے مخلوط حکومت قائم کرے۔ لیبر پارٹی درپردہ نوآبادیاتی نظام کی مخالفت کرتی تھی اور ہندوستان کی آزادی کے حق میں تھی لیکن ساتھ ہی ساتھ کانگریس کی ہمنوا بھی تھی۔ گاندھی کا قریبی دوست کرشنا مینن لندن میں قیام پذیر تھا اور لیبر پارٹی کا سرگرم کارکن تھا۔ گاندھی کے لیبر پارٹی کے راہنما سٹیفورڈ کرپس سے اچھے تعلقات بھی تھے۔ کانگریس کے قائدین کو ان دیرینہ مراسم پر بہت زیادہ مان تھا اور وہ یہ سمجھتے

تھے کہ ان تعلقات کی بنیاد پر اپنے من پسند فیصلے برطانوی حکومت سے منوانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ مصنف کیبنٹ مشن کی تجاویز کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مرکز کے اختیارات صرف اور صرف دفاع، خارجہ اور رسل و رسائل تک رہیں گے جبکہ اس کے علاوہ تمام اختیارات صوبوں کے پاس رہیں گے، جن کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ پہلے حصے میں بنگال اور آسام، دوسرے حصے میں پنجاب، سندھ، سرحد، بلوچستان اور تیسرے حصے میں ہندو اکثریتی علاقے شامل ہوں گے۔ مرکز کی عبوری حکومت میں بارہ نشستوں پر مسلم لیگ اور کانگریس کو مساوی انداز میں نمائندگی کا حق دیا جائے۔ مسلم لیگ اور کانگریس نے کیبنٹ مشن کی تجاویز کو منظور کر لیا تھا۔ وائسرائے نے روایتی کانگریس پرستی کا ثبوت دیتے ہوئے طے شدہ تجاویز سے انحراف کرتے ہوئے مسلم لیگ کو نشستوں کی مقرر کردہ تعداد کو چھ سے کم کر کے پانچ کر دیا، جس پر مسلم لیگ نے احتجاجاً کابینہ مشن منصوبے کی منظوری کو منسوخ کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد برطانوی حکومت نے لارڈ ویول کو سبکدوش کر کے ان کی جگہ لارڈ ماونٹ بیٹن کو وائسرائے ہند مقرر کر دیا۔ جس سے نہرو نے جلد اچھے مراسم پیدا کر لیے تھے۔ مئی ۱۹۴۷ء میں لارڈ ماونٹ بیٹن نے انتقال اقتدار کی پہلی دستاویز قائداعظم اور نہرو کو پڑھا کر برطانوی حکومت سے منظوری کے لیے بھیج دی تھی۔ دستاویز جب ترمیم کے ساتھ واپس آ گئی تو وائسرائے نے اس دستاویز کو نہرو کو دکھایا جبکہ قائداعظم کو اس بارے میں مطلع نہ کیا گیا۔ نہرو کے اعتراضات کو خاموشی سے اس مسودہ کا حصہ بنایا گیا اور اسی مسودہ کے تحت ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا اعلان کیا گیا تھا۔

قیام پاکستان کے دوران مسلم اکثریتی ریاستوں کے پاکستان سے الحاق اور مہاجرین کے مسائل کی سیاسی و سماجی صورت حال کے بارے میں مصنف آپ بیتی میں بیان کرتے ہیں:

> ”اس اعلان کے ساتھ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ لاکھوں تو اکالی سکھوں کے ہاتھوں تہ تیغ ہوئے اور چالیس پچاس لاکھ لٹ پٹ کر پاکستان کی سرحد میں دھکیل دیئے گئے۔۔۔ اس تباہ کاری کے ساتھ ہندوستان نے

> جوناگڑھ پر یہ کہہ کر فوج کشی کر دی کہ پاکستان سے الحاق کا جو فیصلہ نواب نے کیا ہے، وہ اس کی ہندو رعایا کو منظور نہیں اور کشمیر پر یہ کہہ کر حملہ کیا کہ وہاں کے مہاراجہ نے ہندوستان سے الحاق کا فیصلہ کر لیا ہے۔"(۲)

مصنف پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد کے ابتدائی مسائل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے ذمے اثاثہ جات کی مد میں پاکستان کو پچھتّر کروڑ روپے کی نقد رقم واجب الادا تھی، جس کی پہلی قسط بیس کروڑ روپے دینے کے بعد بقایا واجب الادا رقم دینے سے بھارت نے صاف جواب دے دیا تو گاندھی نے بھوک ہڑتال کا اعلان کر دیا جس پر مجبوراً بھارت نے بقایا رقم ادا کر دی۔ اس رقم کی ادائیگی کی گاندھی کو بھاری قیمت ادا کرنا پڑی کیونکہ ان کی مسلمانوں سے اس ہمدردی کے جرم میں ہندو انتہاپسند تنظیم راشٹریہ سیوک سنگھ نے گاندھی کو قتل کروا دیا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد پہلا سیاسی بحران قائداعظم کی وفات کے بعد شروع ہوا، یہ ایک ایسا سیاسی خلا تھا جو کہ کبھی پُر نہیں ہو سکا۔ وزیراعظم لیاقت علی خاں کی شہادت کے بعد ایک اور سیاسی بحران پیدا ہوا جو کہ بیس سال بعد پاکستان کے ایک حصے کو نگل گیا تھا۔ بعد میں بیوروکریسی اور آمریت کے گٹھ جوڑ نے پاکستانی سیاست کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ لیاقت علی خان کے عہد حکمرانی میں اگر پاکستان کا آئین بنا لیا جاتا تو شاید ہم سیاسی انحطاط کا شکار ہی نہ ہوتے۔ لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد ملکی اقتدار پر چند مفاد پرستوں کی پکڑ مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی۔ ذاتی مفادات کو قومی مفادات پر ترجیح دی جانے لگی۔ صوبائی عصبیت کو ہوا دی گئی، قومی اتحاد و یکجہتی پر کاری ضرب لگائی جانے لگی۔

آپ بیتی میں مصنف قرونِ وسطیٰ کے سیاسی حالات کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ اس دور میں ایمان کو عقل کے ساتھ ملا کر نہیں پرکھا جا سکتا تھا یعنی ایمان اور عقل ایک ساتھ نہیں چل سکتے تھے۔ اس دور میں کلیسا کی گرفت عوام اور حکمرانوں پر بہت مضبوط تھی۔ آہستہ آہستہ ایک مسلسل ذہنی شعور بیدار ہوتے صدیوں کا وقت صرف ہوا تو کلیسا کی پکڑ

حکومتوں پر کمزور پڑنے لگی، تب علوم و فنون کی مدد سے انسان نے ترقی کی راہ اختیار کی۔ اسلامی تہذیب میں بھی اوائل میں مذہب اور علم کے درمیان زیادہ اختلافات نہیں تھے لیکن پھر عباسی خلافت کے اختتام کے بعد فروعی اختلافات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا جس نے اب تک ختم ہونے کا نام نہیں لیا۔ انیسویں صدی عیسوی تک اگر تاریخ کا بغور مطالعہ و مشاہدہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ علم تک رسائی صرف امراء اور حکمرانوں تک ہی محدود رہی تھی۔ عام لوگوں کی تعلیم کی ضرورت اس وقت پیش آئی جب اقوام مغرب میں صنعتی انقلاب آیا اور ان میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر ہماری صنعتوں کے مزدور ان پڑھ رہے تو وہ کس طرح مشینری کا استعمال کریں گے۔ اس لیے انہوں نے صرف اپنے مالی مفادات کو حاصل کرنے کے لیے عام آدمی کو تعلیم فراہم کرنے کا ارادہ باندھا۔

پاکستان میں تعلیم و تربیت کے بارے میں مصنف کا کہنا ہے کہ یہاں اب تک حالات مخدوش ہی رہے ہیں۔ بڑے زمیندار، نواب، سردار اور جاگیرداروں نے جان بوجھ کر اپنے علاقوں میں عوام کو تعلیم سے دور رکھا ہے، کیونکہ انہیں یہ خدشہ لاحق تھا کہ اگر ان کی رعایا میں تعلیم عام ہو گئی تو کہیں ان کا شعور بیدار نہ ہو جائے۔ اگر عام عوام کا شعور بیدار ہو گیا تو ان کی زمینوں پر کام کاج کرنے والے مزارعے انہیں کیسے دستیاب ہو سکیں گے۔

مصنف انیسویں صدی عیسوی کے برصغیر کی سیاسی و سماجی صورت حال کا جائزہ پیش کرتے ہیں کہ مسلمانانِ ہند نے سیاسی اقتدار کی تبدیلی کو کبھی دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مسلم قوم انگریز کے نظامِ حکومت اور تعلیم سے باغی دکھائی دیتی رہی، اس سوچ نے انہیں اپنے ہی ملک میں بے وطنی اور ذہنی فرار کی کیفیات سے دوچار کیے رکھا تھا۔ اس بات کی ظاہری وجہ یہی تھی کہ جس زمین پر ان کے آباؤ اجداد نے صدیوں حکمرانی کی تھی، وہ اسی دھرتی پر محکوم رعایا کی حیثیت سے زندگی نہیں گزارنا چاہتے تھے۔ مغربی سامراجیت نے برصغیر پر اپنی گرفت کو مضبوط کرنے کی خاطر جو ظلم و ستم روا رکھے تھے اس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی تھی۔ ہندوستان کے چند اہل عقل و فہم نے یہاں کے لوگوں میں اپنے حقوق کو حاصل کرنے کی ایسی لگن پیدا کر دی، جس کے سبب مغربی استعمار کے یہاں دن گنے جا چکے تھے۔ مسلم اکابرین کی عملی مساعی بالآخر بار آور ثابت ہوئی اور مسلمانوں کو ایک آزاد ریاست

نصیب ہوئی۔ برصغیر کی تقسیم کے دوران ڈیڑھ کروڑ کے لگ بھگ مہاجرین کی ہجرت عمل میں آئی۔ اس تاریخی ہجرت کی بنا پر آبادکاری اور روزگار کی فراہمی کے مسائل نے جنم لیا۔ قیام پاکستان کے بعد قومی یکجہتی، فروعی اور لسانی مسائل نے سر اُٹھایا جن پر آزادی کے ابتدائی ادوارِ حکومت میں وقتی طور پر قابو پالیا گیا لیکن بعد میں یہ مسائل پھر سے نمایاں انداز میں سامنے آنے لگے تھے۔

ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری کی آپ بیتی ''گردِراہ'' گزشتہ صدی کے سیاسی، سماجی، معاشی، مذہبی اور سامراجی نظام کے اہم خدوخال کو واضح کرنے کے ساتھ علمی وادبی، سیاسی و سماجی شخصیات سے بھی متعارف کرواتی ہے۔ ان اہم شخصیات میں مہاتما گاندھی، علامہ اقبالؒ، قائدِاعظمؒ، پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد، مسز سروجنی نائیڈو، مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی، ڈاکٹر کچلو، ڈاکٹر ذاکر حسین، مولوی عبدالحق، سر عبدالقادر، منشی پریم چند، حفیظ جالندھری، پکاسو، نرودا، پطرس بخاری، چراغ حسن حسرت، ن۔م راشد، مجازؔ، آغا حشرؔ، جگرؔ، اصغرؔ، خالدہ ادیب خانم، پروفیسر حبیب، رشید احمد صدیقی، شاہد احمد دہلوی اور ڈاکٹر اقبال شیدائی شامل ہیں۔ آپ بیتی میں مصنف نے دنیا کی معروف شخصیات کے افکار کو بھی تحریر کیا ہے۔ ان میں گوتم بدھ، نیوٹن، کارل مارکس، ہیگل، ٹالسٹائی، سارتر، آسکر وائلڈ، فردوسی، حافظ، رومی، ڈیگال، مسولینی، ہٹلر اور نپولین اہم ہیں۔

آپ بیتی میں مصنف مختلف اسفار میں کچھ ممالک کی سماجی صورت حال کو بڑے دل چسپ انداز میں بیان کرتے ہیں۔ آپ بیتی کے آغاز سے لے کر اختتام تک ان تفصیلات کی بدولت ''گردِراہ'' ایک سفرنامے کی شکل اختیار کرتی دکھائی دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے قاری مصنف کے روز و شب کی داستان کے ساتھ ساتھ سفرنامے کا لطف بھی حاصل کرتا جاتا ہے۔ مصنف نے جن اسفار کا بطور خاص احوال تحریر کیا ہے ان میں ایران، فلسطین، سپین، امریکہ، جاپان اور یورپی اور افریقی ممالک شامل ہیں۔

آپ بیتی میں مصنف نے اپنی زندگی کی داستان کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ برصغیر کے رسوم و رواج، عالمی تحریکوں کے پس منظر، پیش منظر اور بین الاقوامی تنازعات پر تجزیات کو تفصیل سے تحریر کیا ہے۔ مصنف کی یہ دل کش تحریر صرف خودنوشت ہی نہیں بلکہ یہ

زمانے کی روداد بھی بیان کرتی ہے۔ (۳) آپ بیتی پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ راز و نیاز کا ایک نمونہ ہے۔ (۴) آپ بیتی کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذاتی مشاہدات اور یادوں کا مرقع ہے۔ (۵) مصنف نے اپنے حالات وواقعات کو سادہ معروضی انداز میں خود نمائی سے پرہیز کرتے ہوئے آپ بیتی کے پر لطف اسلوب میں پیش کیا ہے جو ناول کی کہانی سے زیادہ حقیقت پر مبنی ہے۔ (۶)

ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری کی آپ بیتی بلاشبہ اپنے دور کی سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی اور تہذیبی تاریخ کی آئینہ دار ہے۔ خودنوشت میں سوانحی واقعات اور مشاہدات کو منفرد اسلوب میں سادگی سے بیان کیا گیا ہے۔ ”گردراہ“ ایک فرد کی ذاتی زندگی کی کہانی نہیں ہے بلکہ مختلف اقوام کی داستان ہے۔ مصنف کی تحریر میں فکر و آگہی کی روانی کو بآسانی محسوس کیا جاسکتا ہے جو قاری کے فہم کے نئے دریچے کھولتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اختر حسین رائے پوری، ڈاکٹر، گردِراہ، کراچی: مکتبہ افکار، ۱۹۸۴ء، ص: ۱۴۶

۲۔ ایضاً، ص: ۱۸۳

۳۔ محمد خالد اختر، گردِراہ، مشمولہ: سہ ماہی آج، شمارہ ۵۲، کراچی: فروری ۲۰۰۵ء، ص: ۳۲۴

۴۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نذر اختر حسین رائے پوری، مشمولہ ماہنامہ افکار، شمارہ نمبر ۱۹۴، کراچی: مئی ۱۹۸۶ء، ص: ۲۸۱

۵۔ غفور شاہ قاسم، پاکستانی ادب، شناخت کی نصف صدی، راولپنڈی: ریز پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص: ۲۸۴

۶۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، گردِراہ... ایک منفرد کتاب، مشمولہ: ماہنامہ افکار، نذر ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری، شمارہ نمبر ۱۹۴، کراچی: مئی ۱۹۸۶ء، ص: ۲۳۳